Regd. No. A. 922
Telephone No. 29
Telegram "ANJUMAN"

قیمت سالانہ تین روپے
ایک پرچہ نئے دس پیسے
تاریخ اشاعت
۱ ، ۸ ، ۱۵ ، ۲۲

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

# ہماری زبان

ایڈیٹر :- آل احمد سرور

جلد ۱۶ | علی گڈھ - ۱۵ مئی ۱۹۵۷ء | شمارہ ۱۹

## کتابوں کی نمائش

پربھاکر ماچوے

دلی میں پچھلے سال نومبر میں ساہتیہ اکاڈمی کی طرف سے مختلف ہندوستانی زبانوں کی، جو کشمیر سے لے کر کیرل تک اور کامروپ سے لے کر کچھ تک ملک کے طول و عرض میں بولی جاتی ہیں چودہ ہزار کتابوں کی نمائش کی گئی تھی۔ نمائش میں نادر قلمی نسخوں اور کتابوں کا ایک ایسا ذخیرہ جمع کیا گیا تھا جو ہندوستانی ادب کی ایک مسلسل اور مکمل تصویر پیش کرتا تھا۔

اکاڈمی کے نائب صدر ڈاکٹر رادھا کرشنن نے ۳ نومبر ۱۹۵۶ء کو نمائش کا افتتاح کیا۔ یہ اکاڈمی ۱۹۵۴ء میں قائم کی گئی تھی اکاڈمی کے مقاصد میں ادبی کاموں میں رابطہ پیدا کرنا، بلند ادبی معیار کو برقرار رکھنا اور ملک کی ثقافتی وحدت کو ترقی دینا۔ نمائش کے بارے میں جو کتابچہ شائع کیا گیا تھا اس میں معنی خیز الفاظ میں بتایا گیا تھا "ہندوستانی ادب ایک ہے اگرچہ یہ مختلف زبانوں میں لکھا جاتا ہے۔ یہ رنگ برنگے پھولوں کا گلدستہ ہے۔ یوں ان زبانوں میں امتیازی فرق نمایاں ہے اور اجنبی کو الجھن میں ڈال دیتا ہے۔ مگر دور رس نگاہوں سے ہندوستانی ادب کی بنیادی وحدت پوشیدہ نہیں"۔

### بنیادی وحدت

ہندوستانی ادب کی کہانی کی ابتدا کچھ بھی ہو، خواہ اس کی ابتدا آریائی ویدوں سے کریں یا آریاؤں سے قبل کسی قدیم عوامی ادب سے گزشتہ تین ہزار سال کے عرصے میں ہندوستانی ادب عام طور پر قدیم تصوف، دور وسطیٰ کی گہری جذباتی روحانیت اور دور جدید کی جدوجہد آزادی کی ہمہ گیر فضا میں پروان چڑھا۔ اس بنیادی وحدت کے اظہار کے لئے نمائش کو ان چار حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ رامائن، مہابھارت، کالی داس اور رابندرناتھ ٹیگور۔ ان چاروں نے لسانی حدوں کو پار کر کے ہندوستانی ادب کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے۔ رامائن سیکشن، سری رام کی کانسی کی مورتی (قدیم چولا۔ دسویں صدی) کے قریب تھا۔ جس میں رامائن کے مختلف نسخے رکھے گئے تھے۔ جیسے گیارھویں صدی کی تامل "کمب رامائنا" تیرھویں صدی کی آسامی "مادھب کنڈلی رامائن" ایک ناتھ کی مراٹھی رامائن، پندرھویں صدی کی کیرتی باسا کی بنگالی رامائن، سولھویں صدی کی ہندی میں تلسی داس رامائن اور اس کی مختلف تفسیریں۔ اس کے علاوہ والمیکی رامائن کا اصل سنسکرت نسخہ اور کم شہرت یافتہ کشمیری، سندھی، پنجابی اور اردو تراجم بھی تھے۔ ویر سیام، بت تراشی پر اسٹراٹن سیم کی مصور کتاب تھی جس سے انڈونیشیا میں رام کتھا کے اثرات کا پتہ چلتا ہے۔

اسی طرح مہابھارت سیکشن میں قدیم ترین تیلگو مہابھارت سرل داس کی اڑیہ مہابھارت، مورو پنت کی مراٹھی مہابھارت اور دیگر نسخے رکھے گئے تھے۔ بھنڈارکر اورینٹل انسٹی ٹیوٹ کا مہابھارت کا مستند ایڈیشن اور جاودانی اور روسی زبانوں میں مہابھارت کے تراجم بھی شامل تھے۔ کالی داس سیکشن میں کالیداس کے چار ڈراموں اور نظموں کے چار مجموعوں کے تمام دستیاب تراجم کے علاوہ ولیم جونس کا شکنتلا کا قدیم ترین ترجمہ (۱۷۹۰ء) اور "رگھوونشا" کا لاطینی ترجمہ بھی تھا۔ "میگھ دوت" کے مختلف باتصویر نسخے اور اس کی بنیاد پر لکھے ہوئے اردو اور مراٹھی کے اسٹیج ڈراموں کی بھی نمائش کی گئی تھی۔ سنسکرت کی قدیم "کلاسکی" کتابوں کے علاوہ مختلف زبانوں کے سیکشنوں میں ان کے قدیم ادبی نسخے بھی موجود تھے۔ مثلاً ونتا کی "بھگوت گیتا" (تیلگو)، سوپران (کنڑ)، سُرساگر (ہندی)، راما چرتم (ملیالم)، سنکھیا بجا کیا مرتا (آسامی)، دنیا نیشوری (مراٹھی)، ترکرال (تامل)، دیوان غالب (اردو)

وغیرہ وغیرہ جین اور بدھ مت کی منتخب کتابیں بھی رکھی گئی تھیں۔ اس کے علاوہ بیرونی ممالک جیسے لنکا، انڈونیشیا، بالی، افغانستان، مشرقی ترکستان، چین، گلگت اور تبت سے حاصل کردہ سنسکرت کی کتابیں بھی شامل تھیں۔ ہندوستانی رسم الخط اور جنوب مشرقی ایشیا، تبت اور وسط ایشیا کی ملتی جلتی لکھاوٹوں کا باہمی تعلق اور وحدت دکھانے کے لیے مخصوص قسم کے چارٹ تیار کیے گئے تھے۔

## قلمی نسخے

اس نمائش میں زیادہ تر ہندوستانی زبانوں کی مطبوعہ کتابیں رکھی گئی تھیں۔ تاکہ جدید علوم کے بالمقابل ہندوستانی ادب کی ایک تصویر پیش کی جا سکے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ایک سو قلمی نسخے کو بھی نمائش کی گئی تھی۔ یہ نسخے عجیب و غریب چیزوں پر تھے، جیسے بانس کی پتی، تاڑ کا پتہ، سولا پتھ (ایک قسم کی گھاس سے تیار کردہ گدی) برچ کی چھال، اگورو کی چھال، کپڑا اور نیپالی کاغذ۔ یہ نسخے مختلف لکھاوٹوں میں تھے۔ سنسکرت کتابیں، جیسے راج ترنگنی اور گیتا، سارد رسم الخط میں، تاڑ کے پتوں پر لکھے ہوئے مسودات دلے تھو رسم الخط میں (جو عام طور پر پتھر پر لکھا جاتا تھا) گرنتھا، تیلگو، کوٹیلا (اڑیہ) بھی نگتارا، ملیالم، بنگالی اور آسامی لکھاوٹوں میں۔ نمائش میں داخل بعض قدیم نسخوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

بمبئی میں منو شری کلب، جین ''کلا چاریہ کتھا'' ؛ وذ کلپ ورتیہ'' بھنڈارکر انسٹی ٹیوٹ سے آئے ہوئے قدیم ترین سنسکرت نسخوں (۱۳۲۰ء) کی عکسی تصویریں، مراٹھ واڑہ سے دستیاب مراٹھی میں الجبرا اور نجوم کی قدیم کتابوں (بارھویں صدی) کی عکسی تصویر۔ ملیالم سیکشن میں تاڑ کے پتہ پر اتا کتھا، آسامی سیکشن میں بھگتی پرتیپ (سولھویں صدی) اڑیہ کے باتصویر قلمی نسخے خاص کر قابل ذکر ہیں تاڑ کے پتوں پر لکھے ہوئے گیت گوبند، راس پنچ ادھیائے اوشاہرن اور ادپند بھنجا کی ''چتر بندھا کا دیاس'' کے باتصویر نسخے۔ تیلگو رسم الخط میں گیتا کا ایک نسخہ خاص طور پر دلچسپی کا مرکز تھا۔ یہ نسخہ تاڑ کے پتوں کی مالا کی شکل میں تھا۔ اس مالا میں ۱۸ دانے تھے جو تاڑ کے پتوں کو گول کاٹ کر خوبصورتی کے ساتھ بنائے گئے تھے اور ہر ایک پر خاص انداز میں گیتا کا ایک باب لکھا ہوا تھا۔

نادر کتابوں کی عکسی تصویروں میں ایک ایک صفحہ کی تصویریں شامل تھیں۔ مثلاً لیتی کتھا کی مہانیا پرکاشا دستر ہویں صدی اور قدیم کشمیری رسم الخط ساردا میں مدوادھیہ، مراٹھی سیکشن میں ڈاکٹر پرولکر سے مستعار داسوتپت کی باسوڑی اور قدیم کوکنی نسخے، بنگالی سیکشن میں اپ جان کی پہلی ڈکشنری (۱۷۴۳ء) اور ہندی سیکشن میں ملک محمد جائسی کی ''پدماوت'' کا قدیم نسخہ (۱۵۴۰ء)

اس کے علاوہ نامور ادیبوں کے اصل خطوط، ان کی ڈائریاں اور مسودات بھی نمائش میں رکھے گئے تھے ان کے نام یہ ہیں:- بنگالی کے ادیب ایشور چندر ودیا ساگر، مائیکل مدھو سودن دت، بنکم چندر چٹرجی، رابندر ناتھ ٹیگور، اور سرت چندر۔ تامل ادیب سبرامنی بھارتی، مراٹھی ادیب۔ اپٹے، این آپٹے۔ گجراتی کے دیو تیا، اور دھرود، ہندی ادیب، پریم چند، مہابیر پرشاد دویدی، رام چندر شکل اور دیگر حضرات۔ غالب کے کئی خطوط اور اشعار پر ان کی اصلاح بھی شامل تھی، گاندھی جی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک کتاب تھی جو بلاک میں چھپی ہوئی تھی اور ہند سوراج کا اصل نسخہ تحریرہ ۱۹۰۸ء بھی رکھا گیا تھا۔ ٹیگور کے نام سروجنی نائیڈو کا ایک نادر خط اور ٹیگور کے نام گاندھی جی کے دو خطوں کی عکسی تصویریں نمائش میں شامل تھیں۔

## پہلی مطبوعہ کتابیں :-

پہلی مطبوعہ کتابیں سیرام پور مشن پریس کی تھیں۔ ان میں زیادہ تر گرامر، ڈکشنریاں اور انجیل کے تراجم شامل تھے مختلف زبانوں میں سب سے پہلے جو کتابیں طبع ہوئیں ان کی فہرست بہ تاریخ طباعت درج ذیل ہے :-

آسامی :- انجیل کا ترجمہ ۱۸۱۳ء۔ بنگالی :- ہال ہیڈ کی بنگالی زبان کی گرامر ۱۷۷۸ء۔ گجراتی :- فرہنگ ۱۸۰۸ء۔ ہندی :- فورٹ ولیم کالج کے طلبہ کے لئے مضامین ۱۸۰۳ء۔ کنڑ :- ڈکشنری ۱۸۳۲ء کشمیری :- انجیل کا ترجمہ ۱۸۲۲ء۔ ملیالم :- وید ارتھا سمگرہم (مطبوعہ روم) ۱۷۷۲ء۔ مراٹھی :- مراٹھی زبان کے نمونے ۱۸۰۵ء۔ اڑیہ انجیل کا ترجمہ ۱۸۱۱ء۔ پنجابی :- انجیل کا ترجمہ ۱۸۱۲ء۔ تامل :- عہد نامہ قدیم کا ترجمہ ۱۸۱۴ء۔ تیلگو :- اے ڈی کیمپبل کی گرامر ۱۸۲۰ء اردو :- گرامر ۱۸۰۴ء۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی مبلغین اور دوسرے لوگوں نے کیسی محنت، صبر اور شوق کے ساتھ ہندوستان کی مختلف زبانوں، علاقائی، زبانوں اور بولیوں کا مطالعہ کیا، گریرسن کی کشمیری ڈکشنری، کٹل کی کنڑ ڈکشنری اور کینڈی مولسے ورتھ کی مراٹھی ڈکشنری لسانی تحقیقات کی اچھی مثالیں ہیں۔ نمائش میں کچھ چند زبانی کتابیں بھی رکھی گئی تھیں، جیسے گجراتی سیکشن میں ''شبد شاسن کلپ ترو'' دس زبانوں کی ڈکشنری جسے بیجو اراؤ گیکواڑ بڑودہ نے ۱۸۹۱ء میں مرتب کیا تھا۔ اردو میں چھ زبانوں کی عجیب و غریب ڈکشنری مرتبہ شاہ جہاں بیگم (بھوپال) ۱۸۷۰ء

زبانوں کے ہر ایک سیکشن میں ۸۰۰ سے لے کر ۱۵۰۰ کتابیں تھیں جنھیں مضمون وار ترتیب دیا گیا تھا۔

(آ۔ئ۔گ)

---

براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری کا حوالہ دیا کیجئے۔

ہماری زبان

۱۵ مئی ۱۹۵۷ء

# لسانی اقلیتوں کا کمشنر جلد مقرر ہو

گزشتہ سال پارلیمنٹ نے لسانی اقلیتوں کے تحفظ کے لیے متعدد سفارشات کی تھیں۔ دستور میں یہ ترمیم منظور کی گئی تھی کہ ابتدائی تعلیم لسانی اقلیتوں کی مادری زبان میں دینے کیلئے ریاستیں مناسب انتظام کریں ثانوی تعلیم، اعلیٰ تعلیم، دفاتر اور عدالتوں میں لسانی اقلیتوں کی زبان کے استعمال کی بھی سفارش کی گئی ہے۔ ان سب باتوں کی دیکھ بھال کے لئے لسانی اقلیتوں کے ایک کمشنر کے تقرر کی بھی تجویز منظور ہوئی تھی۔ اس بات کو کافی عرصہ گزر گیا مگر ابھی تک حکومت ہند نے اس کے سلسلے میں کوئی قابل ذکر کارروائی نہیں کی ہے۔ ضروری ہے کہ جلد کمشنر مقرر کیا جائے تاکہ وہ ریاستوں کا دورہ کرکے صورت حال کا جائزہ لے اور پارلیمنٹ کو رپورٹ کرے اب تو انتخاب کا ہنگامہ بھی ختم ہو چکا۔ نئی حکومتیں بھی بن چکیں، نئی ودھان سبھاؤں اور لوک سبھا کا افتتاح بھی ہو چکا۔ صدر کے انتخاب کی رسم بھی پوری ہو چکی۔ اب نہ معلوم لسانی اقلیتوں کے مسائل پر کب توجہ ہوگی۔ کاش ارباب اختیار کو کوئی غالب کا یہ شعر یاد دلا دیتا ؂

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

## تاریخ ادب اُردو

شعبۂ اردو کی تاریخ ادب اردو کی اسکیم کو اب عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے۔ مارچ کے آخر میں ماہرین کی کانفرنس نے جو سفارشات کی تھیں ان پر مجلس ادارت نے غور کرکے تین جلدوں کا کام تقسیم کر دیا ہے۔ چوتھی اور پانچویں جلد کے لئے بھی عنقریب تقسیم کار ہوگی۔ اس عرصے میں سارے ملک میں اس اسکیم کا نہایت پرجوش خیر مقدم ہوا ہے اور مختلف حلقوں سے نہایت مفید اور سنجیدہ تجاویز بھی آئی ہیں۔ "ہماری زبان" میں اس سلسلے میں جو خط چھپے ہیں وہ بھی شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی کے سامنے ہیں۔ اس کام کو شروع کرتے ہی یہ بات اور واضح ہو گئی کہ اردو کا رواج راجستھان، مدھیہ پردیش، مدراس، میسور میں بھی صدیوں سے رہا ہے۔ بہار میں تو اس سلسلے میں خاصا تحقیقی کام ہوا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ جب یہ تاریخ شائع ہوگی تو نہ صرف اس سے اردو ادب کی بلندی اور عظمت کا اندازہ ہوگا بلکہ اس کے سارے ملک میں چلن اور رواج کا بھی۔ اس سلسلے میں سنجیدہ اور علمی تجاویز کے لئے ہماری زبان کے صفحات حاضر ہیں۔ خیال یہ ہے کہ اردو میں یہ کام مکمل ہو جانے کے بعد اس کا خلاصہ انگریزی اور ہندی میں بھی شائع کیا جائے گا۔

## رفتار کا کالم

رفتار کے سلسلے میں ہم اس اشاعت میں پروفیسر رشید احمد صدیقی کا ایک خط شائع کر رہے ہیں۔ موصوف نے درست کہا ہے کہ اب بحث اقدار و میلانات سے آگے بڑھ کر اشخاص و افراد تک پہنچ گئی ہے اور اس لئے اسے ختم کرنا ہی بہتر ہے۔ جمیل الرحمٰن اعظمی صاحب نے موجودہ دور میں لمبی لمبی ردیفوں اور مشکل قافیوں کی بھرمار کی طرف ادبی دنیا کی توجہ مبذول کرکے ایک مفید ادبی خدمت انجام دی ہے مگر اس بحث کے سلسلے میں جو نام آئے تھے ان کی موافقت اور مخالفت میں مضامین لکھنا، دراصل بحث کو بے جا طول دینا ہے۔ غزل میں جان واقعی انفرادی تجربے سے آتی ہے اور اس کے لب و لہجے اور تغزل کے آداب کی پرکھ آسان نہیں ہے۔ اس لئے اس امر کی طرف اشارہ بھی ضروری تھا۔ مگر اس بحث کے ذریعے سے بعض اشخاص کو خاص طور پر مطعون کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ دراصل یہ مرض خاصا عام ہو گیا ہے اچھا نقاد ایک ڈاکٹر کی طرح مرض کی طرف توجہ دلاتا ہے، چند مریضوں کے پیچھے لٹھ لیکر نہیں پھرتا۔ "ہماری زبان" کا مقصد ہر صحت مند رجحان کی حمایت اور ہر سطحی اور سستے میلان کی خامی کو واضح کرکے ذوق سلیم اور صالح ذہنی فضا پیدا کرنا ہے۔ امید ہے کہ ہمارے معاونین اور ناظرین اس اہم مگر مشکل کام میں ہمارا ہاتھ بٹائیں گے۔

## ہمایوں جاری رہے گا

میاں بشیر احمد صاحب نے لاہور سے اطلاع دی ہے کہ ہمایوں کے بند کرنے کا جب اعلان کیا گیا تو ہر طرف سے اس پر احتجاج کیا گیا اور اسے کسی نہ کسی طرح جاری رکھنے پر زور دیا گیا۔ چنانچہ انھوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہمایوں اب بجائے ہر ماہ شائع ہونے کے سال میں ایک بار شائع ہوا کرے گا اور اس میں علمی و ادبی، سیاسی و تہذیبی مسائل پر مبسوط مضامین شائع ہوا کریں گے۔ ہم اس خبر پر اپنی دلی مسرت کا اظہار کرتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ ہمایوں کی افادیت اس طرح اور بڑھ جائے گی۔

# رفتار

## پروفیسر رشید احمد صدیقی

سمسترور صاحب مکرم! تسلیم!

" رفتار کے عنوان سے "ہماری زبان" میں خلیل الرحمٰن اعظمی صاحب نے ادبی و تنقیدی مضامین لکھنے کا جو سلسلہ شروع کیا تھا وہ سنجیدہ حلقوں میں اچھی نظر سے دیکھا گیا اور سلسلے میں اعظمی صاحب، ہماری زبان اور انجمن ترقی اردو کو سراہا گیا۔ لیکن ادھر کچھ دنوں سے محسوس ہو رہا ہے کہ پہلی سی وہ بات نہ رہی۔ جہاں تہاں عزیزوں اور دوستوں نے بددلی اور برہمی کا اظہار شروع کر دیا ہے۔ اس کے اسباب پر بحث کی جا سکتی ہے لیکن ایسا کرنا ٹھیک نہ ہوگا۔ بات بڑھے گی ختم نہ ہوگی! اس لئے کہ بحث کو مناسب حدود اور سطح پر رکھنے کے لئے جس تحمل اور توازن کی ضرورت ہے وہ ہم میں ایسا تو نہیں ہے کہ نہ ہو، البتہ کافی نہیں ہے۔"

مجھے آپ کے اس خیال سے پورا اتفاق ہے کہ ہم کو مسائل اور تحریکات کو نظر میں رکھنا چاہئے اشخاص کو نہیں۔ اشخاص کو نظر میں رکھنے کے لئے اکثر علمی و ادبی دیانت میں خلل آ جانے کا امکان رہتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے "ہماری زبان" کا چاہے جس انجمن یا ادارہ سے تعلق ہو لیکن نکلتا وہ علی گڑھ ہی سے ہے اور ہم آپ جو اس کے چلانے کے بالواسطہ یا بلاواسطہ ذمہ دار سمجھے جاتے ہیں علی گڑھ سے بڑا گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے قدرتاً اس کو انھیں روایات کا پابند رکھنا چاہیں گے جو علی گڑھ کا ہمیشہ سے امتیاز رہا ہے، یعنی علمی و ادبی معاملات اور مسائل کے پیش کرنے اور پرکھنے میں صرف علمی اور ادبی اصول و اقدار کو پیش نظر رکھا جائے گا۔

نظر بر اں میری رائے ہے کہ اعظمی صاحب کی تائید یا مخالفت میں جو مضامین موصول ہوں یا تو ان کو آپ غیر ضروری اور غیر مفید باتوں سے نہایت جرأت کے ساتھ بغیر رو رعایت کے علیحدہ کر کے شائع کریں، ورنہ ناظرین کرام سے معذرت چاہتے ہوئے اس سلسلے ہی کو ختم کر دیں! گو بذات خود مجھے اس کا افسوس ہوگا کہ ایک اچھے اقدام کا یہ انجام ہو لیکن کیا کیا جائے۔ ہم میں کوئی نہ چاہے گا کہ ہمارے ہونہار اور اچھے لکھنے والوں میں ایک دوسرے کی طرف سے بدگمانی و بیزاری پھیلے۔ اور اس کی ذمہ داری ہماری زبان، انجمن ترقی اردو یا علی گڑھ پر ہو۔

## ٹی-کورویاناگی۔ ٹوکیو (جاپان)

کرمی جناب جنرل سکریٹری صاحب۔ تسلیم۔

آج آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۳۰ اپریل موصول ہوا جس کا میں از تہ دل مشکور ہوں۔ آپ نے تحریر فرمائی کہ انجمن کی مطبوعات کی فہرست علیحدہ بھیجی جا رہی ہے۔ جس کے لئے بھی میں نہایت ممنون ہوں۔

میں نے اب سے تقریباً بارہ سال قبل مدرسہ السنہ خارجہ ٹوکیو میں نور الحسن برلاس صاحب اور جاپانی پروفیسر آرگاموں سے زبان اردو کی تعلیم پائی تھی۔ میں فی الحال ٹوکیو یونیورسٹی برائے السنہ خارجہ کے شعبہ اردو میں بحیثیت اسسٹنٹ ملازمت کرتا ہوں اور ہفتے میں آٹھ گھنٹے اردو پڑھاتا ہوں۔ مجھے اردو کے علاوہ فارسی اور عربی کا علم بھی ہے۔

میں آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) انجمن ترقی اردو ہند کا انجمن ترقی اردو پاکستان سے براہ راست تعلق ہے یا نہیں؟

(۲) جیسا آپ کو معلوم ہے بھارتی دستور اساسی کی رو سے بھارت کی آئندہ سرکاری زبان ہندی ہوگی۔ جو جاپانی بھارت میں مقیم تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ بھارت میں اردو زوال پر ہے یہ سن کر میں بہت غمگین ہوا۔ اس لئے میں بھارت میں اردو کی موجودہ حقیقی صورت حال اور مستقبل جاننا چاہتا ہوں۔

(۳) آپ کے نزدیک اردو کی بہترین لغت کیا ہے اور وہ کہاں سے شائع ہوئی؟

(۴) جنگ عظیم دوم کے خاتمے سے لیکر اب آج تک بھارت میں شائع شدہ اردو کتابوں میں سے اردو لسانیات اور ادبیات کے سلسلے میں قابل ذکر کتابیں کیا کیا ہیں؟

توقع ہے کہ آپ از راہ مہربانی میرے حقیر سوالات کے تسلی بخش جواب دیں گے۔ امید ہے کہ مستقبل میں بھی آپ اردو کے متعلق میری مدد کریں گے۔

آخر میں میں آپ اور انجمن ترقی اردو ہند کی خوشحالی و ترقی کی دعا کرتا ہوں۔

---

❊ عائد ہوا!

ہم اشخاص اور افراد کا بڑا لحاظ کرتے ہیں لیکن کیا کریں جب کسی آزمائش میں مبتلا کر دئے جاتے ہیں تو اشخاص و افراد سے زیادہ اقدار کا لحاظ کرنے لگتے ہیں!

# اردو دنیا

## اردو میں حلف

دہلی ۔ ۔ مئی ۔ لوک سبھا کے ممبروں نے آج ہندی، اردو اور انگریزی زبانوں میں حلف اٹھائے ۔ ممبران کو اس بات کا اختیار دیا گیا تھا کہ وہ ان زبانوں میں سے کسی بھی زبان میں حلف وفاداری اٹھائیں ۔ جن ممبروں نے اردو زبان میں حلف اٹھایا ان میں مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب بھی شامل ہیں ۔ متعدد ممبروں نے اور پرانے ممبروں نے جن میں مسلم ممبروں کے علاوہ کچھ ہندو ممبر بھی شامل تھے اردو زبان میں حلف اٹھائے ۔ کافی ممبران نے حلف وفاداری اپنی علاقائی زبان میں لیا ۔ مگر ہندی کے صرف ایک ممبر شری جیت سنگھ سرسوتی نے ہی پنجابی میں اور سردار بہادر سنگھ نے انگریزی میں حلف لیا ۔ سردار حکم سنگھ نے ہندی زبان میں حلف لیا ۔ ڈاکٹر سید محمود نے اردو زبان میں حلف لیا ۔

آچاریہ کرپلانی نے حلف کے آخری الفاظ میں تبدیلی کرتے ہوئے کہا کہ میں آئین کے تئیں اپنی ذمہ داری کو پوری کرنے کی کوشش کروں گا ۔ حالانکہ الفاظ یہ تھے پورا کروں گا ۔ حلف وفاداری کی رسم کے بعد ممبران نے قائم مقام اسپیکر سیٹھ گووند داس سے ہاتھ ملائے مگر شریمتی سوشیلا نائیر نے اسپیکر کو نمستے کی ۔

## ہندی اور اردو میں ۶۰ فیصدی الفاظ مشترک ہیں

حیدرآباد ۔ ۔ مئی ۔ مرکزی محکمہ تعلیم کے سکریٹری خواجہ غلام السیدین نے یہاں ہندی پرچار سبھا کے جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہر ہندستانی کے لئے لازمی ہے کہ وہ ہندی سیکھے تاکہ ہندستان کے جس حصے میں بھی وہ جائے اپنے آپ کو گھر میں ہی محسوس کرے اس سے ان میں اتحاد پیدا ہوگا ۔

انھوں نے کہا کہ ہندی والوں پر غیر ہندی لوگوں میں ہندی پھیلانے کی بھاری ذمہ داری ہے ۔

اس مہم میں انھیں یہ محسوس نہ ہونے دینا چاہئے کہ ہندی دوسری زبانوں پر حاوی ہو جائے گی ۔ ساتھ ہی یہ بھی یقین دلانا چاہئے کہ ہندی کسی زبان کی رقیب نہیں ہے ۔

خواجہ غلام السیدین نے کہا کہ ہندی کو ابھی اور ترقی پانا اور سیکھنا ہوتا ہے ۔ اس مقصد کے لئے اسے ہندستان کی دوسری زبانوں کے الفاظ اپنے میں سمو کے ان کے اتحاد کا ذریعہ بننا چاہئے

انھوں نے لسانی تعصب کے خلاف انتباہ کیا اور کہا کہ اس ملک میں اگر زبانوں کی بنیاد پر تعصب بڑھ گیا تو بہت سے لسانی پاکستان بن جائیں گے ۔ اور یہ بات قوم کی زندگی کے لئے بہت خطرناک ثابت ہوگی ۔

ماضی میں جب ملک میں برطانوی حکومت تھی ۔ زبانوں کی ایکتا پر زور دینے کی بجائے جان بوجھ کر ان میں اختلاف پیدا کرتے تھے ۔

لسانی تعصب خودکشی کے مترادف ہے ۔ سب کو وجود باہم پر یقین رکھتے ہوئے ایک دوسرے کی ترقی کے لئے کوشاں رہنا چاہئے

انھوں نے بتایا کہ زبان لوگوں کی کلچرل زندگی میں اہم کردار ادا کرتی ہے ۔ مختلف زبانیں بولنے والے لوگوں میں بنیادی اتحاد ہونا چاہئے ۔

ہندی اردو اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ان دونوں زبانوں کے چالیس فیصدی الفاظ مشترک ہیں ان میں امتیاز برتنے کی کوشش شرارت انگیز اور واقعہ ہے ہندی کو کافی لچک ہونا چاہئے ۔

## ہندی پر مولانا حالی کا اثر

حیدرآباد ۔ ۔ مئی ۔ پنڈت ونئی دھر ودیالنکار سابق صدر شعبہ ہندی ادب نے آج بتایا کہ ہندی ادب پر مولانا حالی کا بہت گہرا اثر پڑا ہے ۔

پنڈت ونئی دھر نے آج شام ہندی پرچار سبھا کے سالانہ جلسہ تقسیم اسناد میں معتمد مرکزی وزارت تعلیم خواجہ غلام السیدین کا حاضرین سے تعارف کروا رہے تھے کہا ۔ مولانا حالی نے جو مشہور مسدس لکھی تھی ۔ اسی کی طرز پر ہندی میں بھی راشٹر کوی نے "بھارت بھارتی" لکھی ۔ علاوہ ازیں مولانا حالی کے مشہور کلام "مناجات بیوہ" کو دیوناگری رسم الخط میں چھپوا کر لاکھوں کی تعداد میں تقسیم کیا گیا ۔ یوں تو سنسکرت کی بیشتر کتابوں کا ترجمہ فارسی اور عربی میں کیا گیا لیکن "مناجات بیوہ" کو فخر حاصل ہے کہ اس کا سنسکرت میں ترجمہ کیا گیا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مولانا حالی نے ہندی ادب پر کتنا گہرا اثر ڈالا ہے ۔

## امریکی تعلیمی اداروں میں اردو کی تعلیم

امریکہ میں جدید زبانوں کے نام سے ایک ادارہ قائم ہے اس نے امریکی تعلیمی ادارت میں غیر ملکی زبانوں کی تعلیم کا جائزہ یکجائی رپوٹ میں بتایا ہے کہ:

"امریکہ کے چھ تعلیمی اداروں میں ہندی اور اردو پڑھائی جاتی ہے۔ کولمبیا یونیورسٹی میں ۴۱، ہارورڈ اور آئیل یونیورسٹی میں بالترتیب ۴۴ اور ۵۴ زبانیں سکھائی جاتی ہیں۔ فرانسیسی زبان ہردلعزیز ہونے کے باعث ۵۰۹ اداروں میں، ہسپانوی ۸۹۴ میں جرمن ۸۲۵ میں اور اطالوی زبان ۲۱۲ میں پڑھائی جاتی ہے، روسی زبان پانچویں درجے پر ہے اور ۸۳ اداروں میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ چینی زبان ۱۲۹ میں اور جاپانی ۷۷ میں سکھائی جاتی ہے۔"

اس سے واضح ہوا کہ امریکہ میں روس کی طرح اردو کو زبان کے درجے کی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے مقابلے میں آزادی کے بعد اردو کے ساتھ یہاں جو سلوک ہوا اسے دیکھئے۔ حیدر آباد دکن میں چلتی ہوئی کامیاب اردو یونیورسٹی کو جب تک جنرل یونیورسٹی نہ بنا لیا، دوسرے لفظوں میں اسے شدھ نہ کر لیا گیا، اس پر سانپ ہی لوٹتا رہا۔ دوسری یونیورسٹیوں، کالجوں، سرکاری دفاتر اور کچہریوں کا جو حال ہے اسے کہاں تک گنایا جائے۔ اردو اپنے گہواروں اور علاقوں میں آج تک مارہ پھر رہا ہے۔ فریاد تو بے گرداد نہیں۔ پہلے اس دیس میں ایک منسٹر کی وزیر نے اردو کے کوئی زبان ہونے سے صاف انکار کیا تھا۔ اب پرانی اردو دشمن جماعتوں کے علاوہ نئی وجود میں آ رہی ہیں اور دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک رہی ہیں۔ چنانچہ ابھی ایک نئی صوبائی جماعت یوپی کے صدر نے یہ دھاندلی میں دعویٰ فرمایا کہ:

"اردو کوئی زبان ہی نہیں کیونکہ اس میں قواعد و الفاظ کے ذخیرے کا فقدان ہے۔"

بتائیے اس صریح لغویت کے سامنے کون پیش لے جا سکتا ہے مگر کیا اس دروغ اور دھاندلی کے سامنے حق سرنگوں ہو جائے گا۔

(ہماری آواز کان پور)

## اسمگلنگ کے خلاف مہم میں اردو کی امداد

امرتسر ۸ مئی۔ روزنامہ ناظم رام پور رقمطراز ہے کہ ڈپٹی انسپکٹر جنرل بارڈر پولیس کمانڈنٹ پولیس کمانڈنٹ پنجاب آرمڈ پولیس کی صدارت میں کل یہاں پر پولیس افسروں اور لینڈ کسٹم افسروں کی ایک کانفرنس ہوئی جس میں سرحد پر اسمگلنگ روکنے کے بارے میں غور کیا گیا۔ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ اسمگلنگ کو روکنے کے سلسلے میں حکومت پنجاب عنقریب ایک آرڈی نینس جاری کرے گی۔ اسمگلنگ کے خلاف رائے عامہ کو منظم کرنے کے لئے اردو میں بڑے بڑے پوسٹر شائع کئے جا رہے ہیں۔ ناجائز درآمد برآمد جاری رکھنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ سرحد بہت طویل ہے۔

## غزل

مشکل ہے اُس بُت کی قسمیں
وہ کچی ہوتی ہیں۔ دُھن میں

کاش مرا دل ہوتا بس میں
ورنہ اُٹھیں محفل کی رسمیں

اُس کافر پر آئی جوانی
اور جوانی کس کے بس میں

اک بھینی بے نام سی خوشبو
شامل ہے ہونٹوں کے رس میں

خنجر سے شمشیر بنے گا
وہ ظالم دو چار برس میں

اِن پہروں سے کیا ہوتا ہے
پھول نہیں کانٹوں کے بس میں

"لڑنا" اچھا لفظ نہیں ہے
ملتی ہیں نظریں آپس میں

وعدے پر مجبور نہیں تم
کیوں کھاتے ہو جھوٹی قسمیں

ہم الفت کو راز نہ رکھیں
یوں ہی بن جاتی ہیں رسمیں

وقت انہیں جھٹلا دیتا ہے
کھاتے ہیں سب سچی قسمیں

قسمت کے دونوں پہلو ہیں
صحن چمن میں کنج قفس میں

سہل نہیں دلچسپی لینا
ہر بیکس میں ہر بے بس میں

شاد جیسے شاعر کھاتے ہیں
اس کا "جھوٹا" اس کی "قسمیں"

شاد عارفی

## ۵۷ء کا یادگار مشاعرہ

پٹھانکوٹ ۱۰ مئی گزشتہ رات سناتن دھرم کالج میں بزم ادب، پنجابی ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام جنگ آزادی کی صد سالہ برسی کے سلسلے میں ایک شاندار مشاعرہ شری راجندر لال گرگ سب جج پٹھان کوٹ کی صدارت میں ہوا۔ جس میں پنجاب و جموں کے نامور شعراء جناب مکیش کشمیری، عرش صہبائی، آنند جی محمد صاحب لکھنوی، بھگوان صاحب شاد، پورن سنگھ ہنر امرتسری، نند لال نیرپوری، داس صاحب ہوشیارپوری، بھگوان داس شعلہ ایڈووکیٹ شری کشور چند تم داس پردیسی نے اپنا اپنا کلام سنایا جس کی بیحد تعریف کی گئی۔

# معاصرین

## اردو دشمن محاذ

جب کوئی لیڈر اردو زبان کے حق میں کلمۂ خیر کہہ دیتا ہے تو فوراً چاروں طرف ہنگامہ مچ جاتا ہے کہ اس کا ردِ عمل بھی ضرور ہوتا ہے۔ زبانی ہمدردی تو اردو کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا تا مگر اس کا ردِ عمل کافی نقصان پہنچا دیتا ہے۔ نہ معلوم یہ اتفاق ہے یا کچھ اور کہ جہاں اردو کے حق میں کسی کی زبان کھلی۔ اس کا جواب دینے میں ذرا تاخیر نہیں کی جاتی؛ بارہ بنکی میں اسٹیٹ ترن ساہتیہ کار سنگھ کے اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے اس کے صدر نے اردو کے خلاف جو گوہر افشانیاں کی ہیں وہ تنگ نظری، تعصب اور لسانی فسطائیت کا بدترین ثبوت پیش کرتی ہیں۔ ایک طرف اردو کی یہ بیسی ہے، دوسری طرف اردو دشمنی کا یہ عالم ہے کہ اس کے جائز مطالبہ کو بھی "—— غیر قومی اور غیر جمہوری ——" قرار دیا جاتا ہے جلسہ کے صدر نے اپنے پھیپھڑوں کا پورا زور لگاتے ہوئے اردو کی حمایت کو سیاسی لیڈروں کے سر تھوپا ہے اور یہ گوہر افشانی کی ہے کہ "اردو کو اتر پردیش کے لئے علاقائی زبان بنانے کا مطالبہ غیر قومی اور غیر جمہوری ہے" اور اسی طرز کا ایک رزیولیوشن بھی منظور کیا گیا ہے کہ حکومت ہندی کو زبردستی نافذ کرے "اور اردو کو علاقائی حیثیت بھی نہ دے۔ اگر اردو کی علاقائی حیثیت کا مطالبہ غیر جمہوری اور غیر قومی ہے تو اس دستور کی کیا حیثیت رہ جائے گی جس میں اردو کو ہندوستان کی علاقائی زبانوں میں شمار کیا گیا ہے؟ پھر وہ زبان غیر قومی اور غیر جمہوری کس طرح ہو سکتی ہے جس کی ترقی اور نشو و نما میں مسلمانوں سے زیادہ غیر مسلموں نے حصہ لیا ہو؟ کیا غالب کے نامور شاگرد تفتہ، ہیجی نرائن شفیق، لالہ سری رام، منشی نولکشور، ڈاکٹر رام بابو سکسینہ، سر تیج بہادر سپرو، تلوک چند محروم، سرشار، برق، چکبست، نرائن، آنند نرائن ملا، گوپی ناتھ امن ——————، فراق گورکھپوری وغیرہ وغیرہ شاعروں ادیبوں اور مصنفوں کی خدمات کو بھلایا جا سکتا ہے؟ کیا یہ لوگ قوم سے باہر اور جمہوریت کے دشمن ہیں؟ اگر حکومت کی پالیسی انصاف پر مبنی ہوتی تو آج اردو کو یہ باتیں نہ سننی پڑتیں۔ بہرحال اردو کے حامیوں کو اس غلط فہمی میں نہ رہنا چاہئے کہ اردو دشمنی کا محاذ کمزور پڑ گیا یا اردو زبان کے لئے بعض لیڈروں کی حمایت سے ان کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے؛ انہیں مایوس ہونے کے بجائے زیادہ تیزی سے قدم اٹھانا چاہئے۔ اگر مخالفت کی شدت میں مدافعت کا محاذ کمزور پڑ گیا تو یہ اردو کی شکست نہ ہوگی، بلکہ متحدہ قومیت کی مشترک کلچر کی، انصاف اور رواداری کی شکست ہوگی اور ہندو مسلم اتحاد کی آخری نشانی بھی ہندوستان سے رخصت ہو جائے گی۔

(الجمعیۃ دہلی)

## بک ٹرسٹ

ملک میں اچھی معیاری اور مناسب دام کی کتابوں کی اشاعت کی ضرورت اور اہمیت کے باعث حکومت نے بک ٹرسٹ کے قیام کی تجویز منظور کی ہے۔ یہ فیصلہ کئے ہوئے ڈیڑھ دو سال کی مدت گذر چکی ہے۔ لیکن ابھی تک ٹرسٹ نے اپنے کام کا آغاز نہیں کیا ہے۔ اس ٹرسٹ پر مختلف گوشوں سے اعتراضات بھی کئے جا رہے ہیں کہ حکومت کو یہ تجارتی کاروبار انجام نہیں دینا چاہئے۔ ایک اعتراض یہ بھی ہو رہا ہے کہ یہ ٹرسٹ ملک کی چودہ زبانوں میں کس طرح اشاعت کا کام انجام دے سکے گا؟ یہ اعتراضات اصولی ہیں چونکہ ہمارے ملک کو آج اچھے اور معیاری کتابوں کی سخت ضرورت ہے اور اچھی کتابوں کے مقابلہ میں غیر معیاری اور سستے مذاق کی کتابیں بہت زیادہ شائع ہو رہی ہیں جس سے قوم کے کردار اور ذہن پر مضر اثر پڑنے کا اندیشہ ہے۔ بعض زبانوں میں مثلاً اردو ہی کو لیجئے اچھی کتابوں کی اشاعت محدود ہوتی جا رہی ہے۔ مصنفین کو یہ شکایت ہے کہ ان کی تصانیف کا معاوضہ برابر نہیں ملتا۔ ادیبوں کو یہ گلہ ہے کہ اہم موضوعات پر نئی کتابیں شائع نہیں ہوتی ہیں۔ جب تک کہ کتابوں کی طباعت و اشاعت کا معیار ترقی نہ کرے بک ٹرسٹ کی ضرورت اور اہمیت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ اب اس ٹرسٹ کی صدارت کے لئے مسٹر سی۔ ڈی دیشمکھ کا انتخاب عمل میں آیا ہے۔ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے صدر کی حیثیت سے مسٹر دیشمکھ اچھی کتابوں کی اشاعت کی اہمیت کو محسوس کر چکے ہوں گے۔ امید ہے کہ موصوف اس ٹرسٹ کے کاروبار کو جلد شروع کرانے پر توجہ کریں گے۔

(ریاست حیدرآباد)

# کتاب دان

نادم سیتاپوری

محترمی! تسلیم!

ممنون ہوں کہ میری پیش کردہ تحریک "کتاب دان" کا خیر مقدم کرتے ہوئے آپ نے "ہماری زبان" میں افتتاحیہ تحریر فرماکر وقت کی ایک اہم ضرورت پر عوام کو توجہ دلائی ـــــ لیکن میں آپ کی اس رائے سے متفق نہیں ہوں کہ یہ تعلیمی ادارے اور پبلک لائبریری کتاب جیسے "انمول دان" کی مستحق ہے! میری تجویز کا اصل مقصد یہ تھا کہ انجمن ترقی اردو ہند کے موجودہ کتب خانے کو ایک ہندستان گیر اردو لائبریری میں منتقل کردیا جائے اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے "کتاب دان" کی تحریک کا آغاز کرکے اردو کے اس ذخیرے کو محفوظ کرلیا جائے جو انقلاب ۴۷ء کے بعد سے اب تک برابر تلف ہوتا چلا جارہا ہے۔

اس سلسلے میں آپ نے خدا بخش لائبریری۔ رضا لائبریری رامپور۔ مسلم یونیورسٹی لائبریری۔ کتب خانہ جامعہ عثمانیہ اور سالار جنگ اسٹیٹ میوزیم جیسے اداروں کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ تعلیمی اداروں کو بھی اس کا مستحق قرار دیا ہے۔ جہاں تک ان پبلک اداروں کا تعلق ہے مسلم یونیورسٹی لائبریری اور خدا بخش لائبریری جیسے چند ہی ادارے ہندستان میں باقی رہ گئے ہیں جن میں "اردو" کا مستقبل بظاہر روشن نظر آتا ہے۔ لیکن ہندستان کے وہ تعلیمی ادارے جو آج کے برسراقتدار سیاست دانوں کے ہاتھ میں پہنچ چکے ہیں وہاں عام طور سے "اردو کشی" کے جراثیم پھیل رہے ہیں۔ آج کالجوں کی لائبریریوں میں اردو کتابوں کے ساتھ جو شرمناک سلوک کیا جارہا ہے اس کی مثال کسی متمدن ملک اور زندہ قوم میں نہیں مل سکتی اردو کتابیں خریدنے کا تو سوال ہی کیا؟ ان کی ضرورت اور چند ہندی کے ضرورت اس طرح پر کم کردیئے گئے ہیں کہ یہ کتابیں اپنی موت آپ مرتی چلی جارہی ہیں اور جیسے ہی اس قسم کی کتابیں بوسیدہ اور شکستہ ہوجاتی ہیں نہایت ہی فراخ دلی کے ساتھ انہیں "کیٹلاگ" سے خارج کرکے تلف کردیا جاتا ہے اس قسم کے بہت سے واقعات سننے میں آئے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید "اردو کشی" کی یہ تحریک بہت ہی ضبط و اہتمام کے ساتھ ہندوستان میں خاموشی کے ساتھ چلائی جارہی ہے۔

اب رہا دوسرے ایسے ادارے جو کبھی نہ کسی طرح حکومت کے ہاتھوں میں پہنچ گئے ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا گیا چھ سال ادھر ماضی کی طرف مڑ کر دیکھیے:۔

"بعض اخبارات سے یہ افسوسناک اطلاع ملی ہے کہ دارالترجمہ حیدرآباد کی کتابیں اصل قیمت سے ۸۰ فیصدی سے کم پر فروخت کی جارہی ہیں۔"

(شذرات ماہنامہ معارف اعظم گڑھ بابتہ جنوری ۱۹۶۹ء)

حیدرآباد کا دارالترجمہ اردو زبان کا کیسا گراں مایہ ذخیرہ تھا اس کی تشریح کی ضرورت نہیں۔ لیکن میں نے خود دارالترجمہ کی وہ "ردی" بمبئی اور حیدرآباد میں دیکھی ہے جو عام ردی سے بھی کم قیمت پر لاٹ کی لاٹ فروخت کی گئی تھی۔ یہی نہیں چند سال بعد اسی حیدرآباد دکن میں جامعہ عثمانیہ کے کتب خانے پر جو کچھ بیتی۔ سنئے روزنامہ شیراز حیدرآباد دکن کی زبانی یہ بھی سن لیجئے:۔

"افسوس اور سخت افسوس کا مقام ہے کہ جامعہ عثمانیہ کی نادر و نایاب انمول کتابوں کا ذخیرہ جو نہ صرف عثمانیہ یونیورسٹی بلکہ اردو لٹریچر کی دنیا میں باعث فخر و ناز تھا ذمہ دار عہدے داروں کی لاپروائی اور منتظمین کی عدم نگرانی کے باعث آن کی آن میں جل کر راکھ کا ڈھیر ہوگیا۔ اس عظیم الشان اور بے بہا کتب خانے کے جلنے کی اطلاع مقامی غیر سرکاری نیوز ایجنسیوں کے ذریعے اخبارات میں شائع ہوئی جس میں یہ بتایا گیا کہ زیر بحث کتابوں کے جلنے کی وجہ سے حکومت کو کم و بیش ایک لاکھ روپے کا نقصان ہوا لیکن اس سلسلے میں نہ تو محکمہ اطلاعات سے کوئی وضاحت کی گئی اور نہ خود جامعہ عثمانیہ کی جانب سے ہی کوئی پریس نوٹ اخبارات کو دیا گیا۔ اس خاموشی سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آتش زنی کا یہ واقعہ جامعہ عثمانیہ اور ارباب حکومت

کے نزدیک کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ کتابیں بچنے کے لئے نکلیں اور جل گئیں۔ وضاحت جب کی جاتی جب کوئی انہونی بات وقوع پذیر ہوتی۔ حیرت اور سخت حیرت اس بات پر ہے کہ اس علمی ذخیرے کا اندازہ ایک لاکھ کیا جارہا ہے اور طرفہ ماجرا یہ کہ اس نقصان کو حکومت کا نقصان کہا جارہا ہے۔ اہل علم کی برسوں کی دماغی کاوشوں کا سرمایہ کوئی ترکاری بھاجی نہیں ہے کہ تول کر قیمت ادا کی جائے اس لئے یہ کہنا کہ ایک لاکھ کا نقصان ہوا ایک ستم ظریفی ہے اور یہ کہنا کہ حکومت کا نقصان ہوا ستم بالائے ستم ہے یہ نقصان حکومت کا نہیں بلکہ اہل علم کا۔ دنیائے علم کا ملک اور قوم کا نقصان ہے ربع صدی سے زیادہ مدت کی تلاش و کاوش سے جمع شدہ اس سرمائے کی قیمت کون لگا سکتا ہے۔ یہ سرمایہ دراصل آنے والی نسلوں کے لئے ایک ورثہ تھا جس کو ارباب متعلقہ کی لاپرواہی نے تباہ و برباد کردیا۔ آج سے کوئی ۴۰ سال پہلے ۱۹۱۴ء میں دارالترجمہ کا قیام عمل میں آیا تھا۔ دنیا کی کئی مختلف علمی زبانوں کے منتخب سرمایۂ علم و ادب کو اردو میں منتقل کرنے کے لئے مشاہیر اہل علم کے خدمات حاصل کی گئی تھی تقریباً ربع صدی کی تلاش و تحقیق اور دماغی کاوشوں کے بعد عربی۔ فارسی۔ انگریزی۔ فرنچ اور جرمنی زبانوں کی کتابوں کے اردو ترجمے کئے گئے تھے ایک ایک کتاب کے ترجمہ کرنے اور پھر ان تراجم کو بامحاورہ اردو میں ڈھالنے کے لئے مہینے نہیں بلکہ کئی سال کی مدت صرف ہوئی تھی ــــ اردو زبان کی یہ بدقسمتی ہے کہ یہ سارا سرمایہ جل کر راکھ ہوگیا ظاہر ہے کہ اب یہ جلی ہوئی کتابیں واپس نہیں آسکتیں۔ لیکن حکومت کو چاہئے کہ وہ اس خصوص میں فوری اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کرکے خاطیوں کو سخت سزا دے اور حقیقی واقعات کو منظر عام پر لائے۔

(ہفت روزہ شیراز، حیدرآباد، دکن ۱۹ ستمبر ۱۹۵۵)

جہاں تک مجھے یاد ہے آج تک حکومت نے اس سلسلے میں کوئی بھی کروٹ نہیں لی، اور اس حادثے کے متعلق جس کی بابت حیدرآباد میں عام افواہ پھیل گئی ہے کہ کسی گہری سازش کا نتیجہ ہے۔ حکومت نے کچھ بھی کہنا مناسب نہ سمجھا۔ انکوائری اور تحقیقات کا ذکر ہی کیا؟ ان حقائق اور مشاہدات کو سامنے رکھ کر ہمیں "کتاب دان" کی تحریک کا آغاز کرنے سے پہلے قطعی طور پر یہ طے کرنا پڑے گا کہ ان حالات میں اردو کتابوں کی حفاظت کے لئے سب سے زیادہ مناسب ادارہ کون ہے تاکہ ہماری کچھی سرمایہ اس شرمناک سیاست کاری کی تنذر ہو جائے جیسے واقعات عام طور پر سننے میں آرہے ہیں۔

اپنی "کتاب دان" کی تجویز میں یہی سب کچھ سوچ کر انجمن کی ایک عظیم لائبریری قائم کرنے پر میں نے زور دیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس تحریک کو ہندوستان گیر پیمانے پر چلایا جائے اور انجمن کی شاخیں اس تحریک میں دلچسپی لے کر وقت کی بہت ہی اہم ضرورت کو پورا کریں۔

## تمکین کاظمی

"ہماری زبان" بابتہ یکم مئی ۱۹۵۷ء میں "کتاب دان" کی تحریک بڑی اچھی ہے۔ بیشتر گھروں میں کتابیں دیمک کی نذر ہو رہی ہیں۔ پیوستہ سال ہی میں نے اس کی ضرورت محسوس کی اور اپنے پاس کی اکثر کتابیں میں نے کتب خانہ آصفیہ (اسٹیٹ لائبریری) حیدرآباد میں محفوظ کرادی ہیں۔ اگر اور حضرات بھی اسی طرح مشہور کتب خانوں میں اپنی کتابیں محفوظ کرادیں تو نہ صرف کتابیں محفوظ رہیں گی اور ان کی دیکھ بھال ہوتی رہے گی بلکہ علم دوست اصحاب ان سے فائدہ بھی حاصل کرتے رہیں گے۔

افسوس ہے کہ رسائل (ماہوار رسالوں اور گلدستوں) کا ذخیرہ کسی ایک جگہ محفوظ نہیں ہے۔ اگر علم دوست حضرات اپنے پاس کے رسائل علی گڑھ یونیورسٹی یا انجمن ترقی اردو کے کتب خانے میں محفوظ کردیں تو بڑا اچھا ذخیرہ فراہم ہوسکے گا میں اپنے پاس کے پرچے کتب خانہ انجمن ترقی اردو کو بھیج رہا ہوں انشاءاللہ عنقریب میں جتنے پرانے رسائل اور گلدستے پاس ہیں سب بھجوادوں گا۔

شبلی کی صد سالہ یادگار کے طور پر ایک مستقل کتاب کی اشاعت کی تحریک بھی بڑی ہی عمدہ ہے یہ کام دارالمصنفین اور شبلی اکاڈمی کے تعاون سے دوسرے ادارے اور مشاہیر اہل علم مل کر کریں تو بہتر ہوگا ایک شبلی نامہ بڑا ہی نفیس تیار ہو جائے گا۔

امید ہے کہ برادران ادب اس کے متعلق غور فرمائیں گے۔

# کراچی یونیورسٹی میں

## دارالترجمہ و تالیف کا قیام

کراچی یونیورسٹی کے مجوزہ دارالترجمہ و تالیف کی ایک جماعت نے جو تیرہ افراد پر مشتمل ہے آئندہ پانچ سال کے لیے ایک منصوبہ بنایا ہے۔ یہ ادارہ اپنے منصوبے کے مطابق انگریزی اردو، اردو انگریزی اور اردو کا ایک جامع لغت تیار کرے گا۔ اس لغت کے علاوہ یہ ادارہ علمی و فنی اصطلاحات کے آٹھ دوسرے لغات بھی مرتب کرے گا۔ ان لغات کے ساتھ ساتھ علوم و فنون کی مختلف شاخوں کے متعلق تقریباً پانچ ہزار صفحات پر مشتمل کتابیں بھی شائع کی جائیں گی۔ جو نصاب اور درسی تقاضوں کو پورا کریں گی۔ اردو زبان کی کلاسیکی کتابوں کو دنیا کی دوسری عظیم زبانوں میں ترجمہ کرنا بھی اس ادارے کا ایک اہم فرض ہوگا۔

اس منصوبے پر عمل کرنے میں تقریباً چھ لاکھ چھپن ہزار روپے لاگت آئے گی۔ یہ اخراجات کراچی یونیورسٹی اپنے سالانہ بجٹ سے پورا کرے گی لیکن اس کے لیے حکومت سے بھی مالی امداد کی درخواست کی جارہی ہے۔ امید ہے کہ یہ ادارہ بہت جلد اپنا کام شروع کر دے گا اور اگر یہ کام پانچ سال میں مکمل ہوگیا جیسا کہ ادارے کے اراکین سے امید کی جاتی ہے تو یہ ہماری زبان و ادب کی بڑی خدمت ہوگی۔

(ترقی زبان کراچی)

# انجمن کی خبریں

## حیدرآباد۔ دکن

انجمن ترقی اردو حیدرآباد کی جانب سے مولوی حبیب الرحمٰن صاحب معتمد انجمن نے خواجہ غلام السیدین صاحب سکریٹری وزارت تعلیمات حکومت ہند کا اردو ہال میں خیر مقدم کیا۔

آپ نے اپنی تقریر میں انجمن کے قیام کے بعد سے اس کی کارگزاری کا تفصیل سے جائزہ لیا۔ اردو ہال کی تعمیر اور اردو کالج کے قیام اور اس کے اثرات کا ذکر کیا۔

مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کی تقریر کے بعد خواجہ غلام السیدین صاحب نے تقریر فرمائی۔

آپ نے فرمایا کہ اردو کے مستقبل سے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ زمانہ بدل گیا ہے اور اب اردو کا کوئی مستقبل نہیں ان کے اس خیال کی تردید تمام شہادت کرتا ہے اور نہ واقعات۔

خواجہ غلام السیدین صاحب نے کہا کہ بظاہر ملک میں ادبی اور تہذیبی ترقی، مادی ترقیوں مثلاً صنعت و حرفت کے مقابلے میں کم نظر آتی ہے لیکن فی الحقیقت ادبی اور تہذیبی ترقی ایک ذریعہ کی حیثیت رکھتے ہیں وہ بجائے خود کوئی مقصد نہیں ہوتے۔ ادب اور تہذیب کی سرگرمیوں سے انسان کی پوشیدہ صلاحیتیں اجاگر ہوتی ہیں اور ایک صالح زندگی گزارنے کے سامان مہیا ہوتے ہیں اردو کی خدمت کرنے والوں سے مخاطب ہو کر موصوف نے کہا کہ آپ جو کام کر رہے ہیں اس کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ آپ کو کسی معذرت خواہی کی ضرورت نہیں بلکہ جو دولت مند ہیں ان کا اس کام میں مدد دینا باعث شرف ہونا چاہیے۔ اردو زبان کو آسان اور سلیس بنانے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے خواجہ صاحب نے کہا کہ کسی زبان کی کسوٹی تجزیہ نہیں ہے اس کے بغیر زبان میں جان اور قوت نہیں ہوتی ہے تو کم از کم اردو کے مستقبل سے مایوسی نہیں۔ میں ہند کے کسی ایسے حصے میں نہیں گیا۔ جہاں مادری زبان کے علاوہ عوام آسان اردو یا ہندی نہ بولتے ہوں۔

انجمن ترقی اردو کی مطبوعات کا ذکر کرتے ہوئے*

*خواجہ غلام السیدین صاحب نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اس کام میں مقامی اور مرکزی حکومتوں کو امداد دینی چاہیے۔ آخر میں موصوف نے اس خیال کو ناسمجھی سے تعبیر کیا کہ اگر اردو ترقی کرے تو اس سے دیگر زبانوں پر اثر پڑے گا۔

## تین شعر

تری امید ترا انتظار جب سے ہے
نہ شب کو دن سے شکایت نہ دن کو شب سے ہے

کسی کا درد ہو کرتے ہیں تیرے نام رقم
گلہ ہے جو بھی کسی سے ترے سبب سے ہے

اگر شرر ہے تو بھڑکے جو پھول ہے تو کھلے
طرح طرح کی طلب تیرے رنگ لب سے ہے

فیض احمد فیض

براہ کرم دفتری خط کتابت صرف جنرل سکریٹری
انجمن ترقی اردو ہند کے نام بھیجئے۔

غیر معروف شعراء　　　　مختار الدین احمد

(۴)

# تجلی دہلوی

تجلی، میر محمد کلیم کے بیٹے اور میر تقی میر کے ہمشیرزادے تھے تذکرہ بیجگر (نسخۂ لندن)، مجموعۂ نغز اور تذکرۂ شوق میں ان کا نام میر محمد حسن، عمدۃ المنتخبہ، عیار الشعرا، تذکرہ صدر الدین آزردہ اور گلشن بیخار میں میر محمد حسین سخن شعراء اور سراپا سخن میں میر حسن لکھا ہے۔ طبقات سخن مصنفہ غلام محی الدین مبتلا وعشق (نسخۂ برلین) میں میر غلام علی اور دستور الفصاحت میں نام میر حسن علی درج ہے ان کا عرف میر حاجی یا میاں حاجی تھا تخلص تجلی تھا لیکن عیار الشعراء میں حاجی تخلص بھی درج ہے گو میرے پاس جو دیوان کا قلمی نسخہ ہے اس میں یہ تخلص کہیں دیکھنے میں نہ آیا۔ ہوسکتا ہے کہ ابتدا میں اپنے عرف کی مناسبت سے وہ تخلص بھی حاجی کرنے لگے ہوں بعد میں اسے ترک کردیا ہو۔ اس لئے کہ آخر میں تجلی تخلص ان کے عرف پر بھی غالب آگیا تھا اور بقول صاحب مجموعہ نغز لوگ انھیں "میر تجلی" کہنے لگے تھے۔

حالات زندگی زیادہ معلوم نہیں، سپاہی پیشہ تھے اور یہی گزر اوقات کا ذریعہ تھا شیفتہ نے لکھا ہے کہ باغ بیگم (دہلی) چاندنی چوک میں قیام کرتے تھے۔ مصحفی اور خوب چند ذکا عرب سرائے ان کا مسکن بتلاتے ہیں۔ میر کے شاگرد تھے اور مصحفی سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے۔ تذکرۂ ہندی کی ترتیب (قبل از ۱۲۰۹ھ بعد از ۱۲۰۹ھ) کے وقت جب ان کی عمر ۴۰ سال کے قریب تھی دہلی میں موجود تھے۔ مجموعہ نغز کی ترتیب (سال اختتام ۱۲۳۶ھ) سے پہلے وہ دہلی سے دیار شرقیہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ سال وفات معلوم نہیں لیکن یہ یقینی ہے کہ ۱۲۳۶ھ سے پہلے وہ فوت ہو چکے تھے۔

تجلی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی صرف ایک ہی تحریر کا اب تک علم ہو سکا ہے اور یہ میر تقی میر کا دیوان چہارم ہے جو تجلی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور کتب خانہ ریاست محمود آباد میں محفوظ ہے۔

مصحفی نے انھیں فن ریختہ میں بے نظیر لکھا ہے، یکتا لکھتا ہے:

"بزعم راقم بعد میر سوائے مشار الیہ در کلام ہیچ کس یافتہ نمی شود حق این است کہ ہر چہ گفتہ، خوب گفتہ ... غزلہائے بحر کامل بیچ شاعرے بہتر و خوشتر از و نگفتہ۔" خوب چند ذکا کی رائے ان کے کلام پر ہے: "چندے فکر شعر بطرز میر ... می کند مثنوی لیلیٰ مجنوں بسیار خوب گفتہ و تلاش نمایاں بکار بردہ ... اشعارے کہ از فکر بلندش تراویدہ اکثر بوئے استادی می آید و ناخن بدل است۔"

تصانیف میں ایک دیوان اردو اور مثنوی لیلیٰ مجنوں کا ذکر تذکروں میں ملتا ہے۔ اس مثنوی کا ایک پرانا نسخہ ۱۲۴۴ھ کا لکھا ہوا راقم کے پاس موجود ہے۔ جناب امتیاز علی عرشی کی اطلاع کے مطابق یہ مثنوی مولوی کریم الدین کے زیر اہتمام ۱۸۴۸ء میں چھپ گئی ہے اس کا کوئی مطبوعہ نسخہ راقم کی نظر سے نہیں گزرا۔

دیوان اردو کے نسخے کمیاب ہیں۔ راقم کے پاس دیوان تجلی کا ایک قدیم نسخہ ہے۔ جو شاعر کی زندگی میں ۱۲۰۰ھ میں لکھا گیا ہے۔

مصحفی اور یکتا نے تجلی کے دیوان ضخیم کا ذکر کیا ہے موجودہ دیوان کو ضخیم نہیں کہہ سکتے اس میں تقریباً دو ہزار شعر ہوں گے۔ بظاہر دیوان کی دو روایتیں ہیں۔ پہلی روایت مختصر ہے اس میں صرف غزلیات ہیں، دوسری روایت میں بعد کا کلام بھی شامل کیا گیا اس میں دوسرے اصناف سخن مخمس، مسدس وغیرہ بھی ہوں گے جن کا بعض تذکرہ نویسوں نے ذکر کیا ہے (دیوان ملوکۂ راقم میں کوئی مخمس یا مسدس موجود نہیں)۔ اس عرصے میں کلام پر نظر ثانی اور اصلاح کا کام بھی ہوا۔ کچھ غزلیں اور اشعار

جو بعض تذکروں میں موجود ہیں۔ دیوان نسخۂ راقم میں موجود نہیں اشعار کی روایت میں بھی کہیں کہیں اختلاف ہے۔

تہمت عشق تجلی پہ عبث رکھتے ہیں یار
وہ تو کوچے میں بھی اس کے کبھو آیا نہ گیا

اس کی روایت بعض تذکروں: عیار الشعراء، مجموعۂ نغز وغیرہ میں اس طرح ہے:

عشق میں کرتے ہیں بدنام تجلی کو عبث
وہ بچارا کبھو اس کوچے میں آیا نہ گیا

نمونۂ کلام ملاحظہ ہو، یہ اشعار دیوان تجلی نسخۂ راقم سے ماخوذ ہیں:-

نگہ بھرے ہے غبار عاشقوں بچاروں کا
کہیں قرار نہیں اس کے بے قراروں کا
ہماری خاک سے جز لالہ اور گل نہ اگا
ہے یہ بھی نہ گیا، داغ گل عذاروں کا
کہے فراق میں اس گل کے اتنی فرصت ہے
چمن جو دیکھیں تماشا تری بہاروں کا
ادب سے نام تمہارا تو کون لے پیارے
تمہاری تیغ کے سر قربان ہے ہزاروں کا
عبث سیے ہے مرا ناصحا گریباں چاک
کب التیام ہو ان سینہ کے فگاروں کا
خط آیا حسن کو چلنے کا عزم ہے لیکن
غرور اب تئیں جاتا نہیں نگاروں کا
اگرچہ خوب ہے تغافل تری پرائے ظالم
کبھی تو حال سنتا ہوتا اپنے یاروں کا
جفا سے ہاتھ اٹھاتے نہیں ہیں وے اتنک
فنا بھی کرچکے خوں ہم وفا کے ماروں کا
مبادا ہووے کوئی کشتہ تیرا دامن گیر
خدا کے واسطے مت سیر کر مزاروں کا

بہار آئی تجلی تجھے جنوں نہ ہوا
گر خوش آیا کچھ احوال ہوشیاروں کا

○

مجھے ناز جاں کی ایجاد
محبت کو وہ کن کی ہوں برباد
فصل گل میں تو ہم اسیر رہے
فائدہ کیا جو اب ہوئے آزاد
پھر یوں کیوں کر ہووے وہ خورشید
کریں طالع نہ جب تلک امداد
دل شگفتہ کبھی نہیں ہوتا
غنچہ تصویر کا ہے یہ ناشاد
عشق کو خوش لگی ہے ویراں
ملک دل کس طرح رہے آباد
اب تو ملنا بھی تم نے ترک کیا
اس سے زیادہ کروگے کیا بیداد

دل سے اب تو ہمیں بھلایا ہے
ہم نہ ہوں گے تو کیجئے گا یاد
کل تجلی چمن میں نالاں تھا
بلبلوں نے کیا اسے استاد

○

سارا دامن گیا ہے افشانی
چشم خوں بار کے ہنر دیکھو
عاشقو اس کے لب مسیحا ہیں
گر نہیں اعتبار مر دیکھو
شوق بس ہے دلیل کوچۂ یار
مت کوئی اور راہبر دیکھو
در گزر پر تمہاری بیٹھے ہیں
یوں ہی شاید تم اک نظر دیکھو
جیب کی دھجیاں کروں تو بھی
نا ہو التیام کر دیکھو
ہے تجلی کا ریختہ کیا خوب
چشم انصاف سے مگر دیکھو

○

غم سے آزاد کرو ہم کو بھی اب شاد کرو
خانۂ چشم کو پھر آن کے آباد کرو
تا صبا کہیو اد کہیں اتنی فراموشی کیا
اپنے مہجور بلاکش کو بھی یاد کرو
قتل کرنے سے بھی ہوتی نہیں ہے خاطر جمع
اور کچھ طرز جفا تم کوئی ایجاد کرو
شاعر زور ہے انداز سخن رکھتا ہو
چاہیے چل کے تجلی کو تم استاد کرو

○

ماخذ:-

(۱) دیوان تجلی دہلوی، نسخۂ راقم مکتوبہ ۱۱۹۲ھ
(۲) تذکرہ صدر الدین آزردہ ص ۱۰۰۹ نسخۂ کوئینس کرسٹی کالج عکس مملوکۂ راقم
(۳) تذکرہ عیار الشعراء ص ۱۰۰ . ۷۹ نسخۂ وزارت ہند لندن عکس مملوکہ جناب مالک رام
(۴) تذکرہ طبقات سخن مصنفہ غلام محی الدین مبتلا دلشق نسخۂ برلین
(۵) عمدۂ منتخبہ مصنفہ اعظم الدولہ سرور دہلوی نسخۂ وزارت ہند لندن
(۶) دستور الفصاحت مصنفہ احمد علی یکتا، مرتبہ جناب امتیاز علی عرشی



(الطابع و ناشر ... نے ... پریس علی گڑھ میں چھپوا کر دفتر انجمن ترقی اردو ہند سے شائع کیا)